مولانا محمد طاسین

اجتہاد اور اجتہادی مسائل

—— یہ مقالہ مارچ ۸۸ء میں منعقدہ سالانہ محاضراتِ قرآنی میں پڑھا گیا ——

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ ربّ العالمین○ والصّلوۃ والسّلام علیٰ سیّدِ الانبیاء واشرف المرسلین محمد وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ امابعد فقد قال اللّٰہ عزّ وجلّ فی کتابہ المبین: ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ○ وقال عزشانہ: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ○ صدق اللّٰہ العظیم

میرے مقالے کا موضوع ہے "اجتہاد اور اجتہادی مسائل" اور میرا اصل مقصد اجتہاد کے متعلق چار امور سے بحث کرنا ہے۔ ایک یہ کہ کیا عصر حاضر میں اجتہاد کی ضرورت ہے، دوم یہ کہ اگر آج اجتہاد کی ضرورت ہے تو کس طرح کے اور کس نوعیت کے اجتہاد کی ضرورت ہے، سوم یہ کہ کیا آج اجتہاد ہو سکتا ہے، چہارم یہ کہ آج کے اجتہادی مسائل کیا ہیں؟

لیکن میں سمجھتا ہوں مناسب ہو گا کہ پہلے اجتہاد کے لغوی اور اصطلاحی معنی و مفہوم کے متعلق مختصر طور پر کچھ عرض کر دیا جائے۔ اجتہاد کے لغوی معنے ہیں کسی مشقت طلب کام کے کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دینا اور انتہائی جدوجہد سے کام لینا۔ اور علم اصول الفقہ کی اصطلاح میں اجتہاد کا مفہوم و مطلب ہے کسی ایسے عملی مسئلہ کے متعلق جس کا شرعی حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ یعنی قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور نہ ہو شرعی

© rasailojaraid.com

حکم معلوم کرنے کے لئے عالمِ فقیہ کا اپنی دماغی وذہنی طاقت اورعقلی وفکری صلاحیت انتہائی اور امکانی حد تک صرف کر دینا اور اس میں اپنی کاوش وتحقیق کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرنا۔

اجتہاد کی یہ جو میں نے اصطلاحی تعریف عرض کی ہے یہ اجتہاد کی ان متعدد تعریفوں سے اخذ کی گئی ہے جو مختلف علماء اصول الفقہ نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں اور جن کی تعداد میں نے ایک کتاب میں گیارہ تک پڑھی ہے' اور میں سمجھتا ہوں اس تعریف میں جہاں اجتہاد کے لغوی معنے کو ملحوظ رکھا گیا ہے وہاں اُس حدیث نبوی کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے جو حدیث معاذؓ بن جبل کے نام سے مشہور ہے' اُس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر کیا اور رخصت کرتے وقت اُن سے پوچھا کہ بم تقضی؟ کوئی مسئلہ اور قضیہ پیش آیا تو کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے' قال بکتاب اللّٰہ' حضرت معاذؓ نے جواب دیا اللہ کی کتاب سے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا فإن لم تجد بکتاب اللّٰہ پس اگر تو اس کو کتاب اللہ میں نہ پائے قال بِسُنَّۃِ رسولِ اللّٰہ' جواب دیا کہ سنت رسول اللہ سے' اس کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا فإن لم تجد اگر سنت رسول میں بھی تو اس کا حکم نہ پائے تو پھر کیا کرو گے۔ اس کے جواب میں حضرت معاذؓ نے عرض کیا۔ أجتہد برأیی ولا آلو۔ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوشش کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا اور کوئی کوتاہی نہ برتوں گا' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا۔ الحمد للّٰہ الذی وفّق رسولَ رسولِ اللّٰہ بما یرضٰی رسولُ اللّٰہ' تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو اُس بات کی توفیق دی جس نے رسول اللہ کو راضی وخوش کیا۔

اس حدیث نبوی سے اجتہاد کے متعلق متعدد باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ اجتہاد کا تعلق ایسے مسائل سے ہے جن کے بارے میں قرآن وحدیث کے اندر صریح اور واضح حکم موجود نہ ہو' دوسری بات یہ کہ اجتہاد کرنے والا فقیہ ہو یعنی علم کے ساتھ تفقّہ اور گہری سمجھ بوجھ رکھتا ہو کیونکہ قاضی کا منصب اسے سونپا جاتا ہے جو علم کے ساتھ تفقہ سے بھی آراستہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذؓ کو قاضی مقرر کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت معاذ کتاب وسنت کے عالم ہونے کے ساتھ فقیہ بھی تھے' اور پھر

.com

اس کو اجتہاد کی اجازت دینا گویا یہ فرمانا ہے کہ اجتہاد کا اہل وہ شخص ہوتا ہے جو کتاب وسنت کے علم کے ساتھ تفقہ اور گہری سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہو۔ تیسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اجتہاد میں ضروری ہے کہ درپیش مسئلہ کے متعلق شرعی حکم معلوم کرنے میں آخری حد تک تحقیق اور انتہائی طور پر کوشش و کاوش کی جائے جو وہ کر سکتا ہو' اور یہ بات وَ لَا اٰلُو کے الفاظ سے مفہوم ہوتی ہے۔ چوتھی بات یہ کہ اجتہاد نہ صرف یہ کہ شرعاً ایک جائز اور مشروع عمل ہے بلکہ مستحب اور واجب عمل ہے اور یہ بات اس سے مفہوم ہوتی ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اجتہد برائی' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ ان کو اس سے روکا نہیں بلکہ اس پر خوشی کا اظہار فرمایا اور ان کی اس بات کو توفیق الٰہی اور اپنی مرضی کے مطابق بتایا' اس سے بڑھ کر اجتہاد کے مشروع اور جائز ہونے کی اور دلیل کیا ہو سکتی ہے۔ پانچویں بات یہ کہ جب کسی مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث میں جزوی صراحت کے ساتھ کوئی حکم موجود نہ ہو تو پھر اجتہاد کے ذریعے اس کا شرعی حکم معلوم کرنا اور مسلمانوں کو بتلانا ضروری ہے کیونکہ اگر یہ ضروری نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذؓ کو منع فرمادیتے اور اس کی ہمت افزائی نہ کرتے' غرضیکہ یہ حدیث اجتہاد کے متعلق بڑی جامع اور بنیادی اہمیت کی حامل حدیث ہے اور اس سے اجتہاد کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ بہرحال اس حدیث کی رو سے وہ شخص اجتہاد کا اہل نہیں ہو سکتا جو کتاب وسنت کا عالم نہ ہو یا جو کتاب و سنت کا عالم تو ہو لیکن فقیہ نہ ہو یعنی تفقہ اور استنباط و استخراج کی قدرت اور صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی لفظ فقہ مختلف صیغوں اور شکلوں میں ذکر ہوا ہے اس کے معنے عمیق فہم اور گہری سمجھ کے ہیں اور فقیہ کے معنے اُس شخص کے ہیں جو نہ صرف یہ کہ امور و معاملات کو جانتا بلکہ ان کی غیر معمولی اور اعلیٰ و گہری سمجھ بوجھ رکھتا ہو' فقہ کے معنے علم الفقہ اور فقیہ کے معنے عِلمِ فقہ رکھنے اور فقہ کی کتابیں پڑھنے پڑھانے والا' بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ عہد رسالت مآب میں ان الفاظ کے یہ معنے نہ تھے کیونکہ اس وقت فقہ کے نام سے نہ الگ کوئی علم تھا اور نہ اس پر لکھی ہوئی کتابیں تھیں' مدینہ منورہ کے سات صحابہ جو فقہاء سبعہ کے لقب سے مشہور اور افتاء و قضاء کے فرائض انجام دیتے تھے وہ کسی فقہ اور اس کی کتابوں کے عالم اور حافظ نہ تھے بلکہ وہ کتاب وسنت کے

© rasailojaraid.com

عالم اور گہری سوچ و سمجھ رکھنے والے تھے' اجتہاد کے لئے علم کے ساتھ فقاہت اور تفقہ کا ہونا عقلاً بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر مجتہد اپنی منصبی ذمہ داریوں سے خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو ہی نہیں سکتا۔

قرآن حکیم کی بعض آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ استنباط یعنی بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھنے والے سب لوگ نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے بعض ہی ہوتے ہیں لہٰذا مشکل و دشوار اجتماعی مسائل کے حل کے لئے اُن ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ سورۃ النساء میں ارشادِ ربّ العزت ہے۔ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ○ ترجمہ۔"اور جب ان لوگوں کے پاس امن یا خوف کا کوئی اجتماعی مسئلہ آتا ہے تو اسے وہ عام لوگوں میں پھیلانے لگتے ہیں اور اگر وہ اسے عام لوگوں میں پھیلانے کی بجائے رسول اللہ کے سامنے اور ان حضرات کے سامنے پیش کرتے جو صاحبِ امر و اختیار ہیں تو ان میں سے وہ جو استنباط یعنی بات کی تہہ تک پہنچنے اور نتیجہ نکالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولوالامر لوگوں میں بھی استنباط کی قدرت و صلاحیت رکھنے والے بعض ہی ہوتے ہیں اور یہی دراصل اجتہاد کے اہل ہوتے ہیں۔

اب میں اصل مقصد کی طرف آتا ہوں اور پہلے سوال یعنی یہ کہ کیا آج کے زمانے میں اجتہاد کی ضرورت ہے؟ کے جواب میں اپنے علم و فہم کے مطابق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں' میرے نزدیک اس سوال کا جواب اثبات میں ہے یعنی یہ کہ عصر حاضر اور موجودہ زمانے میں بھی اجتہاد کی ضرورت بلکہ اشد ضرورت ہے اور اُس کی دلیل یہ کہ جس وجہ سے اور جس بنا پر اجتہاد کی ضرورت عہد رسالت' عہد صحابہ اور عہد تابعین اور تبع تابعین میں محسوس اور تسلیم کی گئی وہی وجہ اور وہی بنا آج نسبتاً زیادہ قوی شکل میں موجود ہے لہٰذا آج نہ صرف یہ کہ اجتہاد کی ضرورت بلکہ شدید ضرورت ہے' ضرورت اجتہاد وہ وجہ یہ تھی کہ ایک طرف قرآن مجید میں مسلمانوں کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ اپنی پوری زندگی اور زندگی کے تمام اعمال و افعال اسلامی ہدایات کے مطابق بنائیں ایسا نہ ہو کہ ان کے کچھ اعمال و معاملات اسلام کے مطابق اور کچھ مطابق نہ ہوں بلکہ منشائے اسلام کے خلاف ہوں کیونکہ اس سے مسلمانوں کو وہ دنیوی و

.com

اخروی اور مادی وروحانی فوائد حاصل نہیں ہوسکتے جن سے اسلام ان کو مستفید اور بہریاب کرنا چاہتا ہے اور جن کا قرآن مجید میں ان کے لئے بطور جزاء کے ذکر ہے یعنی پائیدار امن و اطمینان کی وہ حیات طیبہ اور خوشگوار زندگی جس کی ہر انسان کے اندر پیدائشی اور فطری طور پر طلب و خواہش پائی جاتی ہے' ایک مومن کی پوری زندگی اسلام کے مطابق ہونی چاہئے۔ اس کا تقاضا سورۂ بقرہ کی اس آیت میں ہے۔ یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ○

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اسلام میں تمامتر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقوش قدم پر نہ چلو اور اس کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے"۔ سورۂ بقرہ ہی کی ایک اور آیت کا مفہوم ہے جو اہل کتاب' کتاب اللہ کی بعض ہدایات کو مانتے اور بعض کا انکار کرتے اور جن کی زندگی کا کچھ حصہ کتاب اللہ کے مطابق اور کچھ اس کے مخالف ہوتا ہے ان کے لئے دنیا میں ذلت ورسوائی اور آخرت میں شدید ترین عذاب ہے یہ کہ ایسے لوگ مکمل اور کھلے خسارہ میں رہتے ہیں' مطلب یہ کہ ایک طرف مسلمانوں کے لئے قرآن حکیم میں یہ تعلیم ہے کہ ان کی زندگی کے جملہ اعمال و معاملات اسلامی ہدایت کے مطابق ہونے چاہئیں اور دوسری طرف یہ حقیقت واقعہ ہے کہ اسلامی ہدایت کے حقیقی ماخذ قرآن و حدیث میں زندگی کے تمام امور اور جملہ مسائل کے متعلق صراحت و تفصیل کے ساتھ جزوی احکام مذکور نہیں اس وجہ سے کہ زندگی کے امور و مسائل بے شمار اور لامتناہی ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ نئے حالات کے تحت ان میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے لہٰذا کوئی کتاب خواہ وہ کتنی ہی جلدوں پر مشتمل کیوں نہ ہو نہ حیات انسانی کے تمام مسائل کا احاطہ کر سکتی اور نہ ان کے متعلق تفصیلی احکام پر حاوی ہو سکتی ہے' گویا یہ چیز ناممکن ہے۔ ہاں جو چیز کسی کتاب کے لئے ممکن ہے وہ یہ کہ اس کے اندر ہر شعبہ زندگی سے متعلق کچھ اہم جزوی مسائل اور ان کے جزوی احکام مذکور ہوں اور باقی تمام مسائل کے لئے ایسے اصول و مبادی پائے جاتے ہوں جن میں زندگی کے تمام جزوی مسائل کے لئے اجمالی ہدایت موجود اور غور و فکر کرنے سے سمجھ میں آسکتی ہو' قرآن و سنت کی یہی صورت حال ہے ان کے اندر جزوی مسائل کے لئے جزوی احکام کی تعداد کم ہے باقی بے شمار مسائل کے متعلق ان کے اندر ایسے اصول کلیہ اور مبادی عامہ ہیں جن سے ہر جزوی مسئلہ کے لئے اسلامی ہدایت اخذ کی جا سکتی ہے اور یہ کام اجتہادی صلاحیت رکھنے والے علماء و فقہاء کے

© rasailojaraid.com

لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اس عظیم سعادت سے مشرف ہوتے رہیں۔
غرضیکہ مذکورہ دو چیزیں ضرورت اجتہاد کا موجب تھیں جن کی وجہ سے خیر القرون میں اجتہاد ہوا اور چونکہ یہ دونوں چیزیں عہد حاضر میں بھی موجود ہیں ایک طرف قرآن مجید کا یہ تقاضا کہ مسلمانوں کی زندگی کا ہر عمل اور ہر معاملہ اسلامی ہدایت کے مطابق ہو اور دوسری طرف قرآن و حدیث میں ہر عمل و معاملہ کے لئے جزوی صراحت کے ساتھ ہدایت موجود نہ ہونا بلکہ اصولی و کلی ہدایت موجود ہونا' جاننے والے جانتے ہیں آج کتنے ہی ایسے معاشرتی' معاشی' سیاسی اور ثقافتی مسائل موجود ہیں جن کے متعلق قرآن' حدیث اور فقہ میں کوئی صریح ہدایت اور واضح حکم موجود نہیں اور ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو بتلایا جائے کہ ان مسائل کے شرعی احکام کیا ہیں جائز ہیں یا ناجائز' واجب اور مستحب ہیں یا حرام اور مکروہ' اور اس ضرورت کا پورا ہونا چونکہ اجتہاد پر موقوف ہے لہٰذا اس سے عہد حاضر میں بھی اجتہاد کی ضرورت ثابت ہو جاتی ہے اور اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے علماء دین کی یہ منصبی ذمہ داری قرار پاتی ہے کہ وہ اجتہاد کے ذریعے پیش آمدہ مسائل کا قرآن و حدیث سے شرعی حل اور اسلامی حکم معلوم کریں اور پھر مسلمانوں کو بتلائیں کہ انہیں ان مسائل کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنی پوری زندگی اسلام کے مطابق گزار سکیں جو اُن سے مطلوب ہے۔
عہدِ حاضر میں اجتہاد کی ضرورت پر مختصر بحث و گفتگو کے بعد اب میں اس مقالے کے دوسرے سوال کی طرف آتا ہوں وہ یہ کہ عہد حاضر میں کس قسم کے اجتہاد کی ضرورت ہے' انفرادی اجتہاد کی یا اجتماعی اجتہاد کی؟ اجمالی طور پر اس کا جواب یہ کہ عہد حاضر میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت ہے اس کی کچھ تفصیل یہ کہ عہد حاضر میں سائنس و ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی نے جہاں حیات انسانی کے لئے گوناگوں آسائشیں اور سہولتیں فراہم کی ہیں وہاں اس سے جو تمدنی ڈھانچہ اور اجتماعی ماحول وجود میں آیا ہے وہ بڑا پیچیدہ' گنجلک اور پہلو دار ہے۔ اس سے جو نئے تمدنی اور اجتماعی مسائل پیدا ہوئے ہیں وہ بھی پیچیدہ اور مرکب نوعیت کے ہیں۔ ہر مسئلہ اپنے اندر کئی کئی پہلو رکھتا ہے۔ ایک مسئلہ جو بظاہر معاشی نظر آتا ہے' غور سے دیکھا جائے تو وہ سیاسی اور معاشرتی مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ بعض مسائل متضاد اجزاء سے مرکب اور نہایت پیچیدہ قسم کے ہیں جن کی شرعی حیثیت کا تعین نہایت مشکل ہے۔ بالفاظ دیگر عہد حاضر میں تمدنی اور اجتماعی مسائل کی جو نوعیت ہے وہ گزشتہ زمانوں کے مسائل کی نوعیت سے

.com

بہت مختلف ہے۔ آج ایک ہی مسئلہ بیک وقت معاشرتی بھی ہوتا ہے اور معاشی بھی اور سیاسی بھی، لہٰذا اس کو پوری طرح سمجھنے اور اس کا اسلامی حل تجویز کرنے کے لئے مختلف نوع کی معلومات ہونا اور کئی علوم کا جاننا ضروری ہوتا ہے اور اس کو وہی شخص حل کر سکتا ہے جو بیک وقت دینی علوم کے ساتھ بعض دنیوی علوم سے بھی آراستہ ہو، یعنی قرآن، حدیث، فقہ اور اصول الفقہ کے علم کے ساتھ جدید عمرانی اور سماجی علوم سے بھی ایک حد تک واقف اور آگاہ ہو زیادہ نہیں تو ان جدید علوم کے بنیادی مباحث اور اصول و مبادی کو ضرور جانتا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ استنباط و استخراج کی صلاحیت اور تفقہ رکھتا ہو، اگر مسئلہ معاشی نوعیت کا ہو تو علم معاشیات کی اجمالی واقفیت کے ساتھ ضروری ہے کہ وہ ان معاشی نظاموں سے بھی واقف ہو جو آج عملاً دنیا میں رائج ہیں اور یہ جانتا ہو کہ ان کے مابین جو اختلاف ہے وہ کیا ہے؟ سیاسی مسئلہ ہو تو اس کو حل کرنے والے کے لئے ضروری ہے ان سیاسی نظاموں سے آگاہی رکھتا ہو جو مختلف ناموں سے دنیا میں بروئے کار ہیں۔ تہذیبی اور ثقافتی نوعیت کا مسئلہ ہو تو اس کے اسلامی حل کے لئے عہد حاضر کے تہذیبی اور ثقافتی افکار و نظریات اور مروج تہذیبی و ثقافتی نظاموں سے ایک حد تک ضرور آگاہ ہو۔ ظاہر ہے کہ آج مسلمان معاشروں میں اور خاص طور پر پاکستانی معاشرے میں ایسے جامع اشخاص نہیں مل سکتے جو بیک وقت مذکورہ اوصاف کے حامل ہوں، البتہ متفرق صفات رکھنے والے ضرور ملتے ہیں اس لئے کہ ہمارے ہاں جو نظام تعلیم رائج ہے اس سے ایسے ہی ناقص، ادھورے اور یکطرفہ قسم کے اہل علم وجود میں آتے ہیں۔ دینی مدارس کے فارغ التحصیل فضلاء دینی علوم یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد و کلام نیز عربی زبان اور اس کے متعلق صرف، نحو، بلاغت وغیرہ اور کچھ منطق و فلسفے سے بھی ضرور واقف ہوتے ہیں لیکن جدید سماجی علوم سے تقریباً نابلد ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ کہ وہ جو نصاب تعلیم دینی مدارس میں پڑھتے ہیں اس میں جدید علوم کی کوئی کتاب شامل نہیں اور نہ انہیں کبھی ان علوم سے متعلق کوئی لیکچر سننے کا موقع ملتا ہے لہٰذا ان جدید علوم کے نہ جاننے پر ان کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں ہمارے دینی مدارس اور دارالعلوموں میں تعلیم و تدریس کا جو اسلوب و طریقہ ہے اس سے طالب علم کے اندر تقلید جامد کی روش پختہ ہوتی اور آزادی کے ساتھ سوچنے اور غور و فکر کرنے کی صلاحیت دب کر رہ جاتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پہلوں نے جو کچھ لکھ دیا وہ مکمل ہے مزید اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا لہٰذا سوچنا بیکار ہے بلکہ ان کا ایسا ذہن بن جاتا

© rasailojaraid.co

ہے کہ وہ آزادانہ غور و فکر کو عیب و گناہ سمجھتے اور اس سے بچنے کو نیکی تصور کرتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ کہ دینی مدارس کے فضلاء کی عظیم اکثریت عہد جدید کے نئے مسائل کو نہ سمجھنے کی کوشش کرتی ہے اور نہ ان کا اسلامی حل تلاش کرنے کی زحمت اٹھاتی ہے۔ واضح رہے کہ میں نے عظیم اکثریت کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ انہی دینی مدارس کے فضلاء میں گو قلیل التعداد سہی لیکن ایسے حضرت بھی گاہ بگاہ ضرور سامنے آئے جو وقت کے اہم مسائل کا نوٹس لیتے اور غور و فکر کے ذریعے ان کے حل تلاش کرتے رہے باوجود اس کے کہ انہوں نے دوران تعلیم اس کی کوئی تربیت حاصل نہیں کی' ایسے اشخاص کے وجود کو اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ ان دینی مدارس کے بالمقابل کالجوں اور یونیورسٹیوں کا جو نظام تعلیم ہے ان کے فارغ التحصیل گریجویٹ جدید علوم اور عصری افکار و نظریات سے تو آگاہ ہوتے ہیں جو ان کے نصاب تعلیم میں داخل ہیں لیکن اسلامی علوم اور دینی افکار و نظریات سے یا تو بالکل واقفیت نہیں رکھتے یا رکھتے ہیں تو واجبی حد تک اور سطحی و سرسری سی' البتہ ان جدید درسگاہوں میں تعلیم و تدریس کا جو اسلوب ہے وہ ان کو آزادی فکر دیتا اور کھلے ذہن کے ساتھ غور و فکر کی روش سکھاتا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات کے متعلق میں نے جو عرض کیا ہے اس کا تعلق بھی بڑی اکثریت سے ہے ورنہ ان کے اندر بھی خال خال ایسے حضرات سامنے آتے رہے جنہوں نے جدید عصری علوم کے ساتھ دینی علوم بھی حاصل کئے اور جامعیت سے آراستہ ہوئے۔ بہرحال یہ حقیقت واقعہ ہے کہ ہمارے ہاں ایسے اہل علم اور اہل فکر حضرات آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں جو انفرادی طور پر عہد جدید کے مسائل کو اسلامی نقطہ نظر سے حل کرنے کی اجتہادی صلاحیت رکھتے ہوں ورنہ عام طور پر ایسے ہی لوگ ہیں جو یک طرفہ علم رکھتے اور تفقہ کی صفت سے عاری ہوتے ہیں لہٰذا ایسی صورت حال میں اجتہاد کا جو طریقہ محتاط اور قابل عمل ہے وہ یہ کہ ایک ایسی جماعت ہو جس میں کچھ پختہ علم رکھنے اور سوچنے والے علماء دین ہوں اور کچھ جدید علوم کے ایسے ماہرین و متخصّصین ہوں جو اسلامی ذہن کے ساتھ اسلامی عمل بھی رکھتے اور غور و فکر کی صلاحیت سے آراستہ ہوں۔ اور یہ جماعت پیش آنے والے ہر مسئلہ کے ہر ہر پہلو پر سوچے اور تبادلۂ خیالات کرے ہر ایک دوسرے کی ملتت کو توجہ اور احترام کے ساتھ سنے اور آخری فیصلہ اتفاق رائے سے ہو یا کم از کم اکثریت کی رائے سے' اور آخری فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کی جائے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے بلکہ خواہ

.com

کتنا ہی زیادہ وقت کیوں نہ لگ جائے اس کی پرواہ نہ کی جائے۔ بہرحال مسئلہ زیر بحث کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے اور اتفاق پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اس طریقہ اجتہاد کا نام اجتماعی اجتہاد ہے جس کی عہد حاضر میں ضرورت ہے اور جس کی اُس حدیث نبوی میں ہدایت ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی اور جو اس طرح ہے۔ عن سعید بن المسیب عن علیؓ رضی اللّٰہ عنه قال قلتُ یارسولَ اللّٰہ الامر ینزل بنالم ینزل فیه قراٰن ولم تمض فیه منک سنّة؟ قال اجمعوا له العالمین العابدین من المومنین فاجعلوا شورٰی بینکم ولا تقضوا فیه برأی واحد۔ حضرت سعید بن المسیب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے سامنے کوئی ایسا اجتماعی مسئلہ آ جائے جس کے متعلق قرآن مجید اور سنت میں کوئی واضح حکم نہ ہو تو پھر ہم کیا کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا مومنوں میں جو علم و تفقہ رکھنے والے عبادت گزار ہوں ان کو جمع کر کے ان کے باہمی مشورہ سے اجتماعی فیصلہ کرو کسی کی انفرادی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

علامہ اقبال کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عہد حاضر میں اس اجتماعی اجتہاد کا حق منتخب شدہ قومی اسمبلی اور پارلیمینٹ کو دیتے ہیں جسے قوم کی طرف سے قانون سازی کا حق حاصل ہوتا ہے' میں سمجھتا ہوں علامہ مرحوم کی یہ رائے اپنے اندر بڑا وزن رکھتی اور نہایت معقول ہے بشرطیکہ اراکین اسمبلی اور ممبران پارلیمینٹ کی اہلیت کے لئے ضروری ٹھہرایا جائے کہ وہ ایک طرف ان بنیادی اصول اور مقاصد کا علم رکھتے ہوں جو حیات انسانی کے ہر شعبہ سے متعلق قرآن وحدیث میں پائے جاتے ہیں دوسری طرف وہ اجتماعی مسائل کا غیر معمولی اور گہرا فہم وشعور رکھتے اور استدلال واستنباط کے منطقی اور عقلی طریقوں سے واقف متفرق علوم میں متخصص بھی ہوں نیز یہ کہ وہ اعتقادی اور عملی طور پر سچے مسلمان ہوں کیونکہ اسلامی قانون سازی کا حق مسلمانوں کو ہی پہنچتا ہے' چنانچہ جو قانون ساز اسمبلی و پارلیمینٹ مذکورہ اوصاف رکھنے والے ممبران پر مشتمل ہو وہ یقیناً اجتہاد کی اہل و مستحق ہو سکتی اور اس کے اجتماعی فیصلے قوم کے لئے قابل قبول ہو سکتے ہیں' اگر کوئی مسئلہ بہت ہی اہم ہو اور اس کے متعلق اختلاف رائے کی کافی گنجائش ہو تو اس کے بارے میں اسمبلی و پارلیمینٹ سے باہر ایسے حضرات سے بھی پہلے استفسار

© rasailojaraid.com

کیا جا سکتا ہے بلکہ کرنا چاہئے جو اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے مشہور اور فہم و فقاہت میں ممتاز درجہ رکھتے ہوں اور لوگوں کو ان پر اعتماد ہو۔

یہ صحیح ہے اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ مذکورہ اوصاف کے مالک اشخاص آج ہمارے معاشرے میں بہت ہی کم ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر اسمبلی اور پارلیمینٹ کی رکنیت کے لئے مذکورہ اوصاف ضروری ٹھہرا دیئے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ایسے افراد کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو گا' قانون ساز اسمبلیوں کے شوقین حضرات جب یہ دیکھیں گے کہ اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں تو اپنے اندر مطلوبہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اور کچھ عرصہ کے بعد ایسے حضرات کی بڑی تعداد مہیا ہو جائے گی۔

ادھر آج چونکہ ارکان اسمبلی اور ممبران مجالس قانون ساز کی رکنیت و ممبری کے لئے صرف عاقل بالغ پاکستانی شہری ہونا کافی ٹھہرایا گیا ہے لہٰذا پیسے اور اثر و رسوخ کے بل بوتے پر جو لوگ انتخابات میں کامیاب ہو کر وہاں پہنچتے ہیں ان کی بڑی اکثریت اسلام کے حوالے سے قانون سازی کی اہل نہیں ہوتی لہٰذا اگر ایسی مجالس قانون ساز کو اسلامی بنیاد پر قانون سازی یعنی نئے پیدا شدہ اجتماعی مسائل کے متعلق اسلامی فیصلے کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو پھر اسلام کا خدا ہی حافظ 'یقیناً علامہ اقبالؒ اس قسم کی قومی اسمبلیوں اور پارلیمینٹوں کے اجتہاد و اجماع کے قائل نہ تھے اور ہو بھی کیسے سکتے تھے' بلاشبہ وہ عہد حاضر میں اجتہاد پر بہت زور دیتے تھے اور اس کو امت مسلمہ کی اصلاح و تعمیر کے لئے ضروری ٹھہراتے تھے لیکن اس کا حق صرف ان حضرات کو دیتے تھے جو اس کی صحیح معنوں میں اہلیت رکھتے ہوں۔ ان کے کلام میں متعدد ایسے اشعار موجود ہیں جن سے اس کا اظہار ہوتا ہے مثلاً ایک شعر ہے " زاجتہاد عالمان کم نظر...... اقتداء بر رفتگان محفوظ تر "۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کم نظر علماء کو بھی اس کا اہل نہیں مانتے تھے۔

دوسرے سوال کے طویل جواب کا خلاصہ یہ کہ عہد حاضر میں اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے حضرات کے اجتماعی اجتہاد کی ضرورت ہے خواہ منتخب اداروں کے ذریعہ سے ہو یا نامزد جماعتوں کے توسط سے۔

تیسرا سوال جس کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ کہ علماء اصول الفقہ نے اہلیت اجتہاد کے لئے جو شرائط مقرر کی اور اپنی کتابوں میں لکھی ہیں کیا وہ آج کے زمانہ میں کسی شخص

.com

کے اندر پائی جاسکتی ہیں؟اس کے جواب کے لئے پہلے اُن شرائط کا تذکرہ ضروری ہے،جو کتب اصول الفقہ میں متفرق طور پر مذکور ہیں۔ ان میں سے پہلی شرط یہ کہ اجتہاد کرنے والا قرآن مجید کی ان آیات کا علم رکھتا ہو جو عملی احکام سے متعلق اس میں موجود ہیں۔ دوسری شرط یہ کہ وہ ان احادیث نبویہ کا علم رکھتا ہو جو فقہی احکام سے متعلق کتب حدیث میں مذکور ہیں' تیسری شرط یہ کہ وہ ناسخ ومنسوخ آیات واحادیث کا علم رکھتا ہو' چوتھی شرط یہ کہ وہ ان فیصلوں سے اگاہ ہو جن پر اجماع ہو چکے ہیں' پانچویں شرط یہ کہ وہ قیاس واستنباط کے طریقوں کو جانتا ہو' چھٹی شرط یہ کہ علم اصول الفقہ سے واقف ہو' ساتویں شرط یہ کہ وہ مقاصد شریعت کا ادراک رکھتا ہو' آٹھویں شرط یہ کہ وہ عربی زبان کو ان علوم کے ساتھ جانتا ہو جو اس کو جاننے کے لئے ضروری ہیں مثلاً صرف نحو' اشتقاق' بلاغت وغیرہ یہ شرط اس لئے ضروری ہے کہ قرآن وحدیث جو شریعت اور شرعی احکام کے حقیقی ماخذ اور اصل سرچشمہ ہیں ان کی زبان فصیح عربی ہے لہٰذا مجتہد کو عربی زبان سے کم ازکم اتنا ضرور واقف ہونا چاہئے کہ وہ براہ راست خود پڑھ کر مطلب سمجھ سکے' بعض علماء اصول الفقہ نے چند اور شرائط بھی تحریر فرمائی ہیں جیسے کہ اس کا مومن ہونا' عاقل بالغ زکی وفطین ہونا' کبائر سے بچنے والا اور صغائر پر اصرار نہ کرنے والا ہونا' زمانے کے حالات سے ایک حد تک واقف ہونا وغیرہ۔ بہرحال یہ جو شرائط اجتہاد بیان کی گئی ہیں ان میں کوئی شرط بھی ایسی نہیں جو عہد حاضر میں پوری نہ ہو سکتی ہو اور اس کا حصول ممکن نہ ہو بلکہ موجودہ زمانے میں اس کا حصول گذشتہ زمانوں کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے آج احکام القرآن' احکام الحدیث' ناسخ ومنسوخ' فقہ اور اصول الفقہ پر لکھی ہوئی کثیر التعداد کتابیں موجود ہیں جو دینی مدارس وجامعات میں عام طور پر پڑھی پڑھائی جاتی ہیں' اسی طرح دینی مدارس میں عربی زبان اور اس سے متعلق علوم بھی باقاعدہ پڑھے پڑھائے جاتے ہیں اور بکثرت ایسے علماء ہر اسلامی ملک میں موجود ہیں جن کو مذکورہ علوم پر عبور اور دسترس حاصل ہے اور ان کے اندر اجتہاد کی مذکورہ شرائط احسن طور پر پائی جاتی ہیں وہ اگر اجتہاد کرنا چاہیں تو بخوبی کر سکتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے اس کا دروازہ خود پر بند اور مقفل کر رکھا ہے حالانکہ اگر اجتہاد کا دروازہ بند بھی ہے تو وہ اجتہاد مطلق ومستقل کا دروازہ ہے اجتہاد مقید اور اجتہاد الخاص اور اجتہاد جزی کا دروازہ نہ کبھی بند ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے جس کی عہد حاضر میں ضرورت ہے اور اس کے لئے شرائط بھی اتنی سخت اور کڑی نہیں جیسی اجتہاد مطلق اور مستقل

© rasailojaraid.com

کے لئے ہیں۔

غرضیکہ اجتہاد کی اہلیت کے لئے علماء اصول الفقہ نے جو باتیں ضروری ٹھہرائی ہیں وہ عہد حاضر کے چوٹی کے علماء کے اندر پائی جاتی ہیں لہٰذا عہد حاضر میں محض اس دلیل کی بنا پر اجتہاد کا انکار کرنا کہ کسی کے اندر اجتہاد کی شرائط نہیں پائی جاتیں درست نہیں اور پھر جب اجتہاد اجتماعی ہو جس میں مختلف علوم میں مہارت و قابلیت رکھنے والے اشخاص تبادل آراء اور باہمی صلاح و مشورے سے مسائل طے کرتے ہیں انکی جماعت کے اندر مجموعی طور پر شرائط اجتہاد متحقق ہو جاتی ہیں۔

اب میں کچھ اُن امور و مسائل کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں جو آج مسلم معاشروں میں موجود اور اپنے اسلامی حل کا تقاضا کرتے ہیں ان میں کچھ معاشی، کچھ معاشرتی اور کچھ سیاسی مسائل ہیں لیکن ان مسائل کے ذکر سے پہلے میں جس بات کا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ نئے مسائل کا اسلامی حل تجویز کرنے کے لئے لازمی ہے کہ ہر شعبہ زندگی سے متعلق قرآن و حدیث میں جو بنیادی اصول و مقاصد ہیں پوری توجہ اور تحقیق سے ان کا تعین کیا جائے معاشی شعبہ سے متعلق معاشی اصول و مقاصد کا، معاشرتی شعبہ سے متعلق معاشرتی اصول و مقاصد اور سیاسی شعبہ سے متعلق سیاسی اصول و مقاصد کا اسطرح تعین کیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ علماء کرام کا اس پہ اتفاق ہو، اس بارے میں میرے علم کی حد تک اب تک جو کام ہوا ہے جیسا کہ ہونا چاہئے تھا پوری طرح نہیں ہوا بلکہ ادھورا اور منتشر ہے ضرورت ہے کہ اس پر پوری تحقیق و ریسرچ سے از سر نو علمی کام کیا جائے اور یہ کام بھی اگر کوئی ادارہ اجتماعی طریقہ پر کرے تو اس کے نتائج زیادہ اطمینان بخش ہو سکتے ہیں۔ یہ کام اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر اسلام کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظاموں کا صحیح تعین ہو ہی نہیں سکتا اسی طرح اس کے بغیر ان مسائل کی حقیقی شرعی حیثیت بھی معلوم نہیں ہو سکتی جن کی شرعی حیثیت کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے بعض کے نزدیک وہ جائز اور بعض کے نزدیک بالکل ناجائز ہیں اور آج اس کی اشد ضرورت ہے کہ اس کا تعین ہو کہ ان دو متضاد آراء میں سے کونسی رائے اسلام کے مطابق اور صحیح اور کون سی رائے اسلام کے خلاف اور غلط ہے اگر وہ مسئلہ معاشی ہے جس کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء کے مابین اختلاف ہے جیسے مثلاً [illegible] کا مسئلہ تو اس کے متعلق صحیح شرعی حکم کا تعین اس صورت میں بخوبی ہو سکتا ہے جب [illegible]

معاشی اصول ومقاصد متعین طور پر سامنے ہوں اور ان کی روشنی میں ان کا تحقیقی جائزہ لیا جائے۔ تحقیقی جائزہ لینے کے بعد جو حکم ان اصول ومقاصد کے مطابق ثابت ہو اسے صحیح اسلامی حکم اور جو مطابق نہ ہو اسے غیر اسلامی اور غلط سمجھا اور قرار دیا جائے' یا مثلاً ربٰو کی حقیقت کے متعلق علماء کے درمیان جو اختلاف آراء ہے اس کا تصفیہ بھی اس صورت میں بخوبی ہو سکتا ہے جب اسلام کے معاشی اصول ومقاصد متعین طور پر سامنے ہوں اور ان کی روشنی میں سے متعلق مختلف آراء کا تحقیقی جائزہ لیا جائے' اسی طرح اصول ومقاصد کے تعین کے بعد ان بہت سے اختلافات کو بھی سلجھایا اور دور کیا جا سکتا ہے جو معاشرتی' سیاسی اور ثقافتی مسائل کے متعلق علماء اسلام کے مابین پائے جاتے اور جن کے ہوتے ہوئے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ حقیقت میں اسلام کا معاشرتی' سیاسی اور ثقافتی نظام کیا ہے۔

بلکہ میں سمجھتا ہوں آج جو سب سے پہلے کرنے کا علمی کام ہے وہ بحیثیت کل اسلامی نظام حیات کے تعین کا علمی کام ہے یعنی حیات انسانی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق قرآن وحدیث میں جو اعتقادی اور عملی ہدایات وتعلیمات ہیں ان کو نظام حیات کی صورت میں مرتب کیا جائے جیسا کہ عہد حاضر کے سائنسی انداز فکر کا تقاضا ہے۔ قرآن حکیم اور حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اسلامی ہدایات ہیں ان کو نظام حیات کی صورت میں مرتب اور متشکل کرنے کے لئے سب سے پہلے انسانی فوز وفلاح کے اس دینوی اور اخروی تصور کا تعین ضروری ہے جس کو اسلام کی جملہ تعلیمات میں خواہ وہ ایمانی عقائد سے متعلق ہوں یا اسلامی عبادات سے متعلق' اخلاق سے متعلق ہوں یا تہذیب وثقافت سے' مناکحات سے متعلق ہوں یا عقوبات سے' معاشی امور ومعاملات سے متعلق ہوں یا معاشرتی اور سیاسی امور ومعاملات سے' بطور ایک اعلیٰ مقصد اور ارفع ہدف کے سامنے رکھا گیا ہے اور پھر اس کو ملحوظ ومد نظر رکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے صحیح مفاہیم ومطالب کا تعین کیا جائے' مختلف مفاہیم ومطالب میں سے جو مفہوم ومطلب اس اعلیٰ مقصد سے مطابقت رکھتا ہو اس کو صحیح اور جو مطابقت نہ رکھتا ہو اسے غیر صحیح باور کیا جائے۔ تعبیرات کے اختلافات کو سلجھانے کے لئے مقصد کو معیار اور کسوٹی بنایا جائے' پھر اسی طریقہ سے ہر شعبہ تعلیمات سے متعلق وہ اصول کلیہ اور مبادی عامہ دریافت کئے جائیں جن پر جزوی مسائل سے متعلق جزوی احکام مبنی ہیں اور پھر اُن کو اعلیٰ مقصد کے تحت نظام کی شکل میں مرتب کیا اور ان کے مابین جو عقلی نظم وربط ہے علمی طریقہ سے اسے

© rasailojaraid.co

واضح کیا جائے' اسلامی تعلیمات وہدایات کو ایک نظام حیات کی صورت میں مرتب کرنا کہ وہ باہم کر اسطرح مربوط وہم آہنگ ہوں جس طرح کسی مشین کے تمام کل پرزے یا کسی درخت کے نیچے سے لے کر اوپر تک سب اجزاء یا کسی جسم حیوانی کے جملہ اعضاء اور رگ ریشے آپس میں مربوط وہم آہنگ ہوتے ہیں یہ علمی کام خاصا مشکل اور دماغ سوزی کا کام ہے لیکن ناممکن اور محال نہیں۔

میں یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ آج دنیا میں حیات انسانی اور اس کے مختلف شعبوں سے متعلق نظاموں کا جو تصور ہے یہ کچھ ہی زمانہ پہلے جدید سائنسی انداز فکر سے وجود میں آیا ہے سابقہ زمانوں میں نظام کا یہ تصور موجود نہ تھا اس لئے ہمیں اپنے متقدمین ومتاخرین کی کتابوں میں نظام کا لفظ ان معنوں میں نہیں ملتا جن معنوں میں وہ آج متعارف ہے' اگر ان کے سامنے نظام اسلام' نظام معاشرت' نظام معیشت واقتصاد' نظام سیاست وحکومت اور نظام تہذیب وثقافت' موجودہ معنوں میں ہوتے تو اس پر خوب لکھتے اور لکھنے کا حق ادا کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ اور عظیم علمی وفکری صلاحیتوں سے نوازا تھا جیسا کہ ان کے جلیل القدر علمی کارناموں سے ظاہر ہے' اسی طرح' اگر ان کے سامنے پورے دین اور اُس کے مختلف شعبوں مثلاً معاشرت' معیشت' سیاست اور ثقافت سے متعلق نظاموں کا تصور ہوتا اور وہ اس کے مطابق ہر ایک پر علمی کام کرتے تو وہ بے شمار اختلافات پیدا نہ ہوتے جو اسلامی فقہ میں آج موجود ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام بری طرح سے الجھ کر اور ایک معمہ بن کر رہ گیا ہے۔ اسلامی الفاظ وکلمات میں تو اختلاف نہیں لیکن اُن معانی اور مفاہیم میں شدید اختلاف ہے عقائد سے متعلق الفاظ کے معانی ومطالب میں اختلاف دیکھنا ہو تو علم الکلام کی کتابوں کا' اور عملی احکام سے متعلق الفاظ وکلمات کے معانی ومطالب میں اختلاف کا نظارہ کرنا ہو تو مذاہب فقہیہ کی کتب کا مطالعہ کیجئے شاید ہی کوئی ایسا لفظ ہو جس میں اختلاف نہ پایا جاتا ہو' بہرکیف میں سمجھتا ہوں اگر آج ان اختلافات کو سلجھایا جاسکتا ہے تو صرف اس طریقہ سے کہ قرآن حکیم میں اسلامی نظام حیات کا جو مقصد بیان ہوا ہے اسے متعین کر کے اس کے معیار پر ان اختلافات کو جانچا پرکھا جائے جو رائے اور قول اور وتعبیر وتشریح اس کے مطابق ہو اسے درست اور جو مطابق نہ ہو اسے نادرست قرار دیا جائے لیکن یہ علمی کام اس جامد تقلیدی ذہنیت کی وجہ سے بے حد مشکل ہے جو عام طور پر ہم مسلمانوں کے اندر پائی جاتی ہے

.com

ان اختلافات کی وجہ سے امت جو مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی ہے ان میں سے کوئی فرقہ اور گروہ اپنی روش پر نظرثانی کرنے اور اس کو بدلنے کے لئے بالکل تیار نہیں بلکہ وہ مذکورہ بات کو تحمل کے ساتھ سن بھی نہیں سکتا چہ جائیکہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو کیونکہ اس سے سب فرقہ بندیاں ختم ہو جاتی جو آج ہماری ملی زندگی کا غیر منفک اور لازمی حصہ بن چکی ہیں اور جن کے ساتھ مختلف لوگوں کے مفادات وابستہ ہو گئے ہیں' بہرحال میرے نزدیک اگر اسلام کو مستقبل میں انسانیت کا عالمگیر دین بننا اور تمام ادیان اور نظام ہائے حیات پر غالب ہونا ہے تو تکوینی طور پر اس کا انتظام ہو کر رہے گا اور اس راہ سے انشاءاللہ تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں گی جو آج ہمیں نظر آتی ہیں کیونکہ فرقہ بندیوں والا اسلام انسانیت کا عالمگیر اور آفاقی دین نہیں بن سکتا۔

اب آخر میں حسب وعدہ ان اجتہادی مسائل کی نشاندہی کرتا ہوں جو عام طور پر ہر جگہ مسلمان معاشروں کو درپیش ہیں اور مختلف علماء کرام کی طرف سے اُن کے جو حل پیش کئے گئے ہیں اُن میں شدید اختلاف ہے اور اپنے حل کے لئے اجتماعی اجتہاد کا مطالبہ کرتے ہیں ان میں جو معاشی مسائل ہیں جیسے ربٰو وسود کا مسئلہ' سٹے اور لاٹری کا مسئلہ' تامین یعنی بیمہ وانشورنس کا مسئلہ' تامیم یعنی قومیانے اور نیشنلائز کرنے کا مسئلہ' بنکاری کا مسئلہ' تجارتی کمپنیوں کے حصص وشیئرز کی خرید وفروخت کا مسئلہ' عوامل پیدائش دولت کا مسئلہ' تقسیم دولت کا مسئلہ' اموال زکوٰۃ کا مسئلہ' مضاربت میں مال کی مقدار اور وقت کی مقدار کے لحاظ سے منافع کے تعین کا مسئلہ' بیع مرابحہ اور بیع مؤجل کا مسئلہ وغیرہ' معاشرتی مسائل میں پردے کا مسئلہ' مخلوط تعلیم کا مسئلہ' تقریبات میں غیر محرم مردوں اور عورتوں کے اختلاط کا مسئلہ' معاشرے میں حیثیت نسواں کا مسئلہ' خواتین کی ملازمت کا مسئلہ' عورت کی شہادت کا مسئلہ وغیرہ سیاسی مسائل میں ساورنٹی کا مسئلہ' موروثی اور منتخب حکومت کا مسئلہ' صدارتی وپارلیمانی طرزِ حکومت کا مسئلہ' صدارتی وپارلیمانی طرز حکومت کا مسئلہ' فلاحی ورفاہی ریاست کا مسئلہ' انتخابات کا مسئلہ ووٹر کی اہلیت کا مسئلہ' ایک سے زیادہ سیاسی جماعتوں کا مسئلہ' مارشل لاء کا مسئلہ' ارکان حکومت کے اختیارات کا مسئلہ' بنیادی حقوق کا مسئلہ' بجٹ کا مسئلہ' ٹیکسیشن کا مسئلہ' موجودہ نام نہاد اسلامی معاشروں میں حدود کے نفاذ کا مسئلہ' غیر مسلم اقوام سے خارجی تعلقات کا مسئلہ' اسی طرح بعض دوسرے مسائل میں سے اعضاء

© rasailojaraid.co

اور قرنیہ کے پیوند کاری کا مسئلہ' پوسٹ مارٹم کا مسئلہ' ٹیوب بے بی یعنی تناسل صناعی کا مسئلہ' دفاعی ضرورتوں کے لئے سودی قرضوں کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ بہت سے الجھے ہوئے مسائل ہیں جن کا پوری توجہ اور تحقیق کے ساتھ اسلامی حل پیش کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اجتماعی اجتہاد کے محتاج ہیں۔

ختم کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ ہمارے ہاں جو معاشی' سیاسی اور ثقافتی مسائل' غیر اسلامی معاشی سیاسی اور ثقافتی نظاموں کو اختیار کرنے کے نتیجہ میں پیدا شدہ ہیں جیسے مغرب کے سرمایہ دارانہ معاشی نظام اور مغربی جمہوریت کے سیاسی نظام سے ان مسائل کا اجتہاد کے ذریعے وقتی حل تجویز کرنا صرف اُس وقت جائز ہو سکتا ہے جب ہم ان غیر اسلامی نظاموں کو چھوڑ دینے کا دستوری طور پر فیصلہ کرلیں' مطلب یہ کہ اگر ہم ان غیر اسلامی نظاموں کو برقرار رکھتے ہوئے ان سے پیدا شدہ مسائل کو اجتہاد کے ذریعے تحفظ دیتے ہیں تو شرعاً یہ درست اور جائز نہیں ہوتا کیونکہ اس سے اُن غیر اسلامی نظاموں کو استحکام ملتا ہے' مثلاً وہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام جو بعض تاریخی عوامل کے زیر اثر ہمارے ملک میں قائم ہوا اور قائم ہے جو سود کو اصولاً جائز ٹھہراتا اور سود اس کے خمیر میں شامل ہے اس کو ہم اپنے ہاں قائم وبرقرار رکھتے ہوئے اس کے بعض اداروں جیسے بنکاری اور انشورنس کو جو اصلاً ربوٰ اور قمار پر مبنی ہیں اجتہادی تاویلوں کے ذریعے اور اضطرار کے اصول کے تحت لفظی ردوبدل کر کے جائز قرار دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ کہ ہم سرمایہ دارانہ نظام کو مستحکم کرتے اور مضبوط بناتے ہیں لہٰذا ہمارا یہ طرز عمل صحیح نہیں ہوتا کیونکہ اس سے اسلام اور مسلمانوں دونوں کو انجام کار ضرور نقصان پہنچتا ہے' جہاں تک اضطرار کے اصول کا تعلق ہے اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ اس کے تحت صرف ایسے لوگوں کے لئے کسی حرام چیز کے استعمال کا جواز پیدا ہوتا ہے جو اسے حرام سمجھتے ہوئے بقدر ضرورت اس کو اختیار کرتے ہیں اور چمٹے رہنے کے ارادہ سے نہیں بلکہ جلد از جلد اسے چھوڑ دینے اور اس سے جان چھڑانے کے ارادہ سے۔ اضطرار کا یہ اصول دراصل اس تصور پر مبنی ہوتا ہے کہ جب ناموافق وناسازگار حالات میں دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا فرد یا قوم کی حیات وبقا کے لئے ضروری ہو تو وقتی طور پر بادل نخواستہ اس برائی کو اختیار کر لیا جائے جو ضرر کے لحاظ سے نسبتاً ہلکی اور کم درجہ کی ہو' بالفاظ دیگر اس میں بڑی خیر وبھلائی کی خاطر چھوٹی خیر وبھلائی کو مجبوراً چھوڑنا پڑتا ہے' بنابریں اگر کوئی مسلمان معاشرہ

.com

اجتماعی اور دستوری طور پر یہ طے کر لیتا ہے کہ اسے اپنے ہاں سے نظام سرمایہ داری کو ختم کر کے اس کی جگہ حقیقی معاشی نظام قائم کرنا ہے اور سنجیدگی کے ساتھ وہ ایسے ذہنی اور خارجی حالات پیدا کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے ختم ہونے اور اسلامی معاشی نظام کے وجود میں آنے کیلئے ضروری ہیں تو ایسے معاشرہ کیلئے عبوری حالات میں بعض ایسے معاشی طور طریقے اختیار کرنے کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے جو پیش نظر آئیڈیل اسلامی معاشی نظام کی رو سے تو جائز نہیں ہوتے لیکن آئیڈیل کی طرف پیش قدمی کے لئے عبوری حالات میں ان کو اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کا فیصلہ کہ موجودہ عبوری حالات میں غیر اسلامی معاشی طور طریقوں کو کس ردوبدل کے ساتھ اختیار کیا جا سکتا ہے انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی اجتہاد کے ذریعے ہونا ضروری ہے ارباب اجتہاد جن طور طریقوں کے متعلق یہ طے کریں کہ موجودہ حالات میں یہ قابل عمل بھی ہیں یعنی ان پر عمل کرنے سے مخالف ردعمل کا اندیشہ نہیں جس میں حاصل شدہ فائدہ کے مقابلہ میں نقصان ہمیشہ زیادہ ہوا کرتا ہے۔ دوم یہ کہ ان کو اختیار کرنے سے آئیڈیل کی طرف پیش قدمی ہو سکتی ہے تو ایسے فیصلے کو عبوری قانون کی حیثیت دی جا سکتی ہے پھر چونکہ عبوری حالات میں کسی طور طریقے کے ردوقبول کا معیار آئیڈیل ہوتا ہے لہٰذا سب سے پہلے اس کا تعین ضروری ہے کہ اسلام کا آئیڈیل معاشی نظام کیا ہے۔ اسی طرح اگر وہ طور طریقے سیاسی، معاشی اور ثقافتی ہوں تو ان کے صحیح ردوقبول کے لئے اسلام کے آئیڈیل سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی نظاموں کا تعین بھی سب سے پہلے ضروری ہے ورنہ ہم عبوری حالات میں غیر اسلامی مسائل کے متعلق صحیح اسلامی حل نہیں پیش کر سکیں گے اور ٹھوکریں کھاتے رہیں گے اسی طرح ضروری ہے کہ ہم ایک طرف ایمانی عقائد کی تبلیغ و تعلیم اور اسلامی عبادات کی تربیت سے وہ ذہنی ماحول پیدا کریں جو انسان کو عدل و احسان پر ابھارتا ہے اور دوسری طرف معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور سیاسی لحاظ سے کامل طور پر آزاد و خود مختار بننے کی کوشش میں سرگرم ہو جائیں کیونکہ اس کے بغیر ہم اسلام کے اجتماعی نظام کو نہ قائم کر سکتے ہیں اور نہ پائیداری کے ساتھ قائم رکھ سکتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے!

© rasailojaraid.com